شانِ رسالت مآب ﷺ میں گستاخی پر ہمارا احتجاج
اور
ہماری نجی زندگی میں سنتِ نبوی ﷺ

از: مولانا عتیق الرحمن سنبھلی (لندن)

عشق ہے پیارے کھیل نہیں ہے
عشق ہے کارِ شیشہ و آہن

مؤمن آزاد نہیں، کہ جو جی میں آئے اس پر عمل پیرا ہو جائے، اس کے محبوب ﷺ نے ہر معاملہ میں اُسوۂ اور طرزِ عمل چھوڑا ہے۔ اہانت کے معاملے بھی پے بہ پے آپ ﷺ کی زندگی میں آئے۔ مکی زندگی ہی میں نہیں، مدنی زندگی میں بھی، اور آپ ﷺ کے اور آپ کے اصحابؓ کے لیے بنیادی طور پر یہ ہدایتِ ربّانی رہنما رہی:

"تم ضرور آزمائے جاؤ گے اپنے مالوں اور اپنی جانوں میں، اور کتنی ہی دل آزار باتیں بھی تمھیں سنی پڑیں گی اہلِ کتاب اور مشرکین سے، اور اس کے مقابلہ میں اگر تم نے صبر اور تقوے کی روش سے کام لیا تو یہ یقیناً عزم وہمت کی بات ہے"۔ (سورۂ آلِ عمران/۱۸۶)

امکان ہو تو بدلہ لینے اور سزا دینے کا جواز اس آیت سے بھی نکل رہا ہے؛ لیکن ترجیح اسی کو مل رہی ہے کہ نظر انداز کیا جائے اور آں حضرت ﷺ کا اُسوۂ مبارکہ اسی کے مطابق رہا، اور یہ اس لیے کہ آپ کے لائے ہوئے دین کی مصلحت وہاں یہی تھی، اور اس مصلحت سے بڑھ کر کوئی چیز ظاہر ہے کہ آپ کو عزیز نہیں ہوسکتی تھی۔ اس معاملہ میں مصلحت بینی کی حد یہ ہے کہ سردارِ منافقین عبداللہ بن اُبیّ جس کی شرارتوں اور سازشوں سے آں حضور ﷺ کو شاید ہی مدنی زندگی کے کسی دن میں چین رہا ہو؛ آپ ﷺ کا حال یہ رہا کہ اس کی موت پر آپ نے قمیص مبارک اس کے کفن کے لیے دی، اس کے منھ میں اپنا لعابِ دہن برائے برکت ٹپکایا اور نمازِ جنازہ، جو دعائے مغفرت کے ہم معنی

ہے، اس کے باوجود پڑھائی کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد نازل ہوچکا تھا کہ ''ان منافقین کے لیے تم اے نبی مغفرت مانگو یا نہ مانگو، اگر تم ستر (۷۰) بار بھی ان کے لیے مغفرت مانگو تب بھی اللہ انھیں ہرگز نہ بخشے گا۔'' (التوبہ ۹/۸۰) حضرت عمرؓ نے قرآن کی آیت یاد دلائی، تو فرمادیا کہ مجھے اللہ نے منع نہیں کیا ہے مجھ پر چھوڑ دیا ہے کہ کروں یا نہ کروں۔ اور اگر مجھے یقین ہوتا کہ ستر دفعہ سے زیادہ میں مغفرت ہوجائے گی تب میں زیادہ بھی کرتا۔ (گویا جانتے تھے کہ مغفرت نہیں ہونی) یہ ہے اس ذاتِ گرامی کا اُسوۂ مبارکہ جس کے عشق کی بات یہاں گفتگو میں ہے۔ اس نے کئی بار واجب القتل ہونے کے کام کیے، بعض مرتبہ تو لوگوں کو یقین ہوگیا کہ قتل کا حکم صادر ہوگا؛ لیکن آں حضرت ﷺ نے اسلام اور ملتِ مسلمہ کی مصلحت اسی میں دیکھی کہ درگذر سے کام لیا جائے۔ کیا شان ہے اس پیغمبرِ اعظم ﷺ کی! اللّٰهُم صلِّ وسلِّمْ علٰى عبدِك ونبيِّكَ صلوٰةً وّسلاماً دائمين متلازمَينِ الٰى يومِ الدين.

پس جب رسولِ خدا ﷺ کا یہ اسوۂ حسنہ ہمارے سامنے ہے تو دشمنانِ انسانیت کی طرف سے جب بھی آپ کی اہانت کی کوئی صورت رونما ہو؛ جیسا کہ ادھر چند سال سے فرزندانِ مغرب نے اس ملعون عمل کا بیڑا اُٹھا رکھا ہے، تو ہمارا غم وغصہ تو ایمان کی علامت ہے؛ لیکن ردِ عمل میں ہمیں اسلام اور ملتِ اسلام کی مصلحت دیکھنی ہے، اگر ہم مؤمن اور واقعی ''عاشقِ رسول ﷺ'' ہیں۔ نہیں تو ہم صرف اپنے نفس کو تسکین دینے والے ہوں گے، اور نامِ عشق کو رسوا کرنے والے۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے ایک نوجوان نے ڈنمارک میں حبِّ رسول ﷺ کے حوالہ سے اپنی جان کو کھلے خطرہ میں ڈال کر وہاں کے ایک ملعون فلم ڈائرکٹر کا کام تمام کردیا؛ لیکن اس کا بھی کوئی اثر شیطان کے لشکر پر نہیں ہوا ہے، چہ جائے کہ ہمارے محض مظاہرے اور نعرے۔ آئے دن کسی مغربی ملک میں ایک ملعون اُٹھ رہا ہے اور اپنے پہلے والے سے بڑھ کر خباثت کی داد اپنے ہم وطنوں سے چاہ رہا ہے، تو کیا اپنے ردِ عمل کی یہ بے اثری دیکھتے ہوئے بھی یہ بجا ہوگا کہ اپنے غم وغصہ کے اظہار کے لیے یہ بے اثر طریقے مسلسل آزماتے رہنے کو ہم تقاضائے عشقِ رسول ﷺ سمجھتے رہیں؟ یہ تو ملتِ اسلام کی بے بسی کا اظہار اور شیاطین کی ہمت افزائی ہے کہ وہ کچھ بھی کریں یہ چاردانگِ عالم میں پھیلی ہوئی امت اپنا سینہ پیٹ کر رہ جانے سے زیادہ کچھ نہیں کرسکتی۔

آخر ہمیں کیوں کر اپنی اس شرمناک کمزوری کا رہ رہ کر اظہار کرنا پسند ہے؟ کہیں ہم اپنے اس احتجاجی عمل کو اس کے مؤثر ہونے نہ ہونے سے قطعِ نظر بجائے خود ایک کارِ ثواب تو نہیں سمجھ

رہے ہیں؟ خدانہ خواستہ اگر ایسا ہے، تو پھر ہم نے نہ حضور سید الرُسل کے مرتبہ ومنزلت کو سمجھا اور نہ آپ کی غلامی میں پوشیدہ عزت کو جانا، ہم آپ کے نام پر بے بسی کا اظہار کرتے مظاہروں اور جلوسوں کو کارِثواب سمجھ رہے ہیں! افسوس، صد افسوس!

تو پھر ہم کیا کریں؟ یہ ایک مشکل سوال ہے، راقم اپنی سمجھ کے مطابق جواب عرض کرتا ہے جو ایک تجربہ کا نتیجہ ہے، دوسرے حضرات بھی غور کریں۔ برطانیہ میں کم لوگ ہوں گے جنھیں رُشدی کی کتاب کے خلاف ''اسلامک ڈیفنس کونسل'' کی سرگرم جدوجہد یاد نہ ہو۔ راقم نے بھی اس کونسل کے کنوینر کی حیثیت سے اس سلسلہ میں اپنی استطاعت بھر حصہ لینے کو عزت وسعادت سمجھا۔ کونسل نے اپنی جدوجہد کے سلسلہ میں کتاب کے پبلیشر پینگوئن کے آفس کو نشانہ بنا کر ایک عوامی مارچ بھی طے کیا تھا، ۲۸/جنوری ۱۹۸۹ء کا یہ مارچ، جس میں پورے ملک سے ۲۰-۲۵ ہزار فرزندانِ اسلام نے آپ سے آپ شرکت کی، اس کی شکل اپنے روایتی احتجاج کی بے ثمری کو یاد کرتے ہوئے نیز مغرب کی ایک نئی دنیا کا خیال کرکے اپنے برّصغیر کے روایتی مظاہروں سے بالکل مختلف تجویز کی گئی تھی۔ اس میں نعرہ زنی اور اظہارِ غیظ وغضب کے بجائے پلے کارڈز کے ذریعہ اپنی جذباتی تکلیف کا اظہار کرکے گویا برطانوی پبلک سے ہم نوائی کی اخلاقی اپیل تھی۔ خیال تھا کہ شاید کچھ شریف روحیں ہماری ہم نوائی کو سامنے آئیں اور کتاب کے ناشر اور حکومت پر کچھ دباؤ پڑ سکے۔

ہمارے اس طرزِ احتجاج کی تحسین تو بیشک ہوئی، (خاص کر اس لیے کہ دو ہفتے پہلے انگلینڈ کے ایک شہر میں اس کے بالکل برعکس کتاب سوزی کی صورت میں احتجاج کا آتشیں واقعہ ہو چکا تھا) لیکن جو مقصود تھا وہ حاصل نہیں ہوا۔ بات وہیں کی وہیں رہی اور پھر دو ہفتہ بعد آیت اللہ خمینی صاحب نے جو مصنف اور ناشرین کے قتل کا فتویٰ صادر کیا تو وہی حکومت جو انسانیت اور تہذیب واخلاق کے ناتے ہماری اخلاقی اپیل سے کوئی اثر لینے کو تیار نہ ہوئی وہ رشدی کے تحفظ میں ایسی سرگرم ہوئی جیسے اس ملعون تصنیف میں وہ اس کا ایجنٹ ہو۔ اس تجربہ کے بعد سے ذہن بن گیا کہ یہ مغربی دنیا بالکل الگ ذہن ومزاج کی حامل ہے، اسے تو ہم بس کبھی طاقت نصیب ہو تب ہی اپنے احساسات کا احساس کرا سکتے ہیں؛ چنانچہ اس ایک واقعہ کے بعد اب امریکہ، اسامہ اور طالبان کے قضیے سے تو اس شرارت کی لائن ہی لگ گئی ہے اور ہر شرارت پہلی والی کو پیچھے چھوڑے جارہی ہے؛ چنانچہ یہ تازہ فلم والی خباثت، جیسا کہ لوگ بتاتے ہیں، خباثت کی ساری حدوں کو پار کرگئی ہے اور کہیں کی بھی حکومت ہماری شکایت اور آہ وفغاں پر نوٹس لینے کو تیار نہیں ہے۔

مسلم حکومتوں کے اتحاد (او.آئی.سی) کی جانب سے ۱۹۹۹ء سے اقوامِ متحدہ میں کوشش ہورہی ہے کہ ''آزادیِ اظہار'' کے اس ننگ انسانیت مغربی کلچر کو کچھ حدود و قیود کا پابند کیا جائے؛ لیکن مغربی حکومتیں کسی طرح اس کوشش کو کامیاب نہیں ہونے دے رہی ہیں (اس المیہ کا بڑا تفصیلی بیان ۲۵/ستمبر کے ''دی نیوز'' میں سابق پاکستانی سفیر محترمہ ملیحہ لودھی کے قلم سے نکلا ہوا موجود ہے)

یہ بالکل ایک صاف پاگل پن کیا مغرب میں حضور پاک ﷺ اور آپ کے لائے ہوئے دین سے نفرت پیدا کرنے کے لائحۂ عمل کے طور پر اختیار کیا گیا ہے؟ جی نہیں، اس کام کے لیے پاگل پن کی ضرورت نہیں تھی نہ وہ مفید ہے۔ یہ ''پاگل پن'' اگر کوئی مقصد رکھتا ہے اور یقیناً رکھتا ہے، تو وہ عالمِ اسلام میں نشأۃِ ثانیہ کے اٹھتے ہوئے آثار سے خوف زدہ ہوکر اس کا راستہ روکنا ہے۔ اس کا آغاز امریکہ نے 11/9 کے حوالہ سے ''دہشت پسندی کے خلاف جنگ'' (War on Terrorism) کا نام دے کر کیا، جسے بارھواں سال چل رہا ہے اور جس کے ذریعہ وہ تمام قوتیں جنگی اسلحہ سے تباہ کردینے کی مہم جاری ہے، جنھیں امریکہ اس نشأتی لہر کا بازوئے شمشیر زن سمجھ رہا ہے، پھر اس آغاز کے چند سال بعد یہ اشتعال انگیز فلموں اور کارٹونوں کا سلسلہ اسی مہم کا دوسرا پارٹ ہے جس نے مسلم دنیا میں اشتعال انگیزی کا ایک مستقل سلسلہ قائم کردیا ہے۔ ایک حرکت پر بات ٹھنڈی پڑتی ہے تو دوسری برآمد جس کے نتیجہ میں ہمارے یہاں وہ تک ہورہا ہے جو جمعۃ المبارک ۲۰/ستمبر کو پاکستان کے شہروں میں بصد رنج وقلق دیکھا گیا۔ یعنی ایک طرف اپنے ہاتھوں سے ملک کو ملینوں بلینوں کا نقصان، دوسری طرف اپنی پولیس کے ہاتھوں اپنی ہی بیسیوں لاشیں گرنا، اور پھر حکومت اور عوام کے درمیان جو دوری و بے اعتمادی ہمارے یہاں یونہی عام ہے، اس میں مزید تناؤ کا اضافہ۔ ایسے حالات میں نشأۃِ ثانیہ کا کہاں گذر؟ مزید ایک نتیجہ اس اشتعال انگیزی کا یہ ہے کہ نوجوانوں میں مغرب، بالخصوص امریکہ، کے خلاف جو کچھ بھی ممکن ہوکر گزرنے کا جذبہ بالکل قدرتی طور سے پیدا ہوتا ہے، اور امریکہ کی نظر میں گویا نئے ''دہشت گرد'' پیدا ہوتے ہیں جن کا تعاقب اس کی ذمہ داری ہے۔

کیا اس صورتِ حال کا تقاضا یہ نہیں کہ ہم شدید جذباتی اذیت کے باوجود مغرب کی ان اشتعال انگیزیوں کا نوٹس لینا اسی طرح بند کردیں جس طرح رسول اللہ ﷺ کے عمومی اُسوۂ مبارکہ میں ہم دیکھتے ہیں؟ جب ہم ان شیاطین کا کچھ کر نہ سکیں تو کیا اسلام اور ملت کے نقطۂ نظر سے یہ بات زیادہ آبرومندانہ نہیں ہے کہ سورۂ آلِ عمران کی اوپر گزری آیت (''اور ضرور تمہاری آزمائش

اپنے مالوں اور جانوں میں ہونی ہے اور ضرور ایسا ہوگا کہ تم کو اہلِ کتاب اور مشرکین سے بڑی اذیتیں پہنچیں۔ اور اس کا مقابلہ تم نے اگر صبر اور تقوے کی روش سے کیا تو یقیناً یہ عزم وہمت کی بات ہوگی۔'') پر عمل کیا جائے؟ اور غور کیجیے تو یہ قرآنی ہدایت دراصل ایسے ہی حالات کے لیے ہے جن سے ہم گزر رہے ہیں۔ یہی واحد صورت ان حالات میں ہے کہ اس شیطانی سلسلہ کا تار ٹوٹے، مغربی حکومتوں سے اس بات کی توقع کہ وہ آپ کے درد کو سمجھیں، بدقماشوں کو لگام دینے کے لیے کسی عالمی قانون کی منظوری پر راضی ہوں، جس کے لیے او.آئی.سی کی طرف سے کوششیں ہیں، اس توقع کی کیا گنجائش اس صورتِ حال میں ہے کہ یہ حکومتیں تو پاکستان کے قانونِ تحفظِ حرمتِ رسول ﷺ کے پیچھے پڑی ہوئی ہیں، جو لوگ آپ کے اپنے ملکوں میں بھی آپ کے حُرمات ومقدّسات کی بے حرمتی کی آزادی کے لیے بضد ہیں کیا ان سے یہ توقع بجا ہے کہ وہ اپنے یہاں تحفظ نافذ کریں گے؟

اس دن کے لیے انتظار اس دن کا کیجیے جب ہم آپ اپنے آپ کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مرضیات پر ڈھال کر اسلام کا گزرا ہوا دور واپس دیکھنے کے لائق ہو جائیں اور وہ دور عشقِ رسول کے جھنڈے اُٹھانے اور احتجاج کرنے سے نہیں، اللہ ورسول ﷺ کی مرضیات کے آگے بصد شوق سر جھکانے سے آئے گا، جو بلاشبہ اس وقت ہمارا حال نہیں ہے۔ اِلّا یہ کہ ہم جانتے نہ ہوں یا اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہوں۔ اور اگر اس بات کی شرح درکار ہو تو ایک پیرِ دانا کی حکایت سن لیجیے:

گذشتہ صدی کے ہمارے نامور علماء میں سے مولانا سید مناظر احسن گیلانی (م-۱۹۷۵ء) جن کو علم کے ساتھ اللہ نے عشقِ مصطفوی ﷺ کی دولت سے بھی خوب خوب نوازا تھا، دارالعلوم دیوبند میں اپنی طالب علمی کے احوال لکھتے ہوئے اپنے استاذ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ (م-۱۹۲۰ء) کے درس کا ایک واقعہ سناتے ہیں: ''بخاری شریف کا سبق ہو رہا تھا، مشہور حدیث گذری کہ تم میں سے کوئی اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا، جب تک اس کے مال، بال بچے اور سارے انسانوں سے زیادہ، میں اس کے لیے محبوب نہ ہو جاؤں۔ فقیر نے عرض کیا کہ ''بحمد اللہ عام مسلمان بھی سرکارِ کائنات ﷺ کے متعلق محبت کی اس دولت سے سرفراز ہیں، جس کی دلیل یہ ہے کہ ماں باپ کی توہین کو تو ایک حد تک مسلمان برداشت کر لیتا ہے؛ لیکن رسالت مآب ﷺ کی ہلکی سی سبکی بھی مسلمانوں کو اس حد تک مشتعل کر دیتی ہے کہ ہوش حواس کھو بیٹھتے ہیں، آئے دن کا

مشاہدہ ہے کہ جان پر لوگ کھیل گئے ہیں۔'' یہ سن کر حضرت نے فرمایا: ہوتا بے شک یہی ہے جو تم نے کہا؛ لیکن کیوں ہوتا ہے؟ تہہ تک تمہاری نظر نہیں پہونچی، محبت کا اقتضا یہ ہے کہ محبوب کی مرضی کے آگے ہر چیز قربان کی جائے؛ لیکن عام مسلمانوں کو جو برتاؤ آں حضرت ﷺ کی مرضیِ مبارک کے ساتھ ہے وہ بھی ہمارے تمہارے سامنے ہے۔ پیغمبر ﷺ نے ہم سے کیا چاہا تھا اور ہم کیا کر رہے ہیں، اس سے کون ناواقف ہے، پھر سبکی آپ ﷺ کی جو مسلمانوں کے لیے ناقابلِ برداشت بن جاتی ہے اس کی وجہ محبت تو نہیں ہوسکتی۔''

خاکسار نے عرض کیا کہ تو آپ ہی فرمائیں، اس کی صحیح وجہ کیا ہے؟ نفسیاتِ انسانی کے اس مبصرِ حاذق نے فرمایا کہ ''سوچو گے تو درحقیقت آں حضرت ﷺ کی سبکی میں اپنی سبکی کا غیر شعوری احساس پوشیدہ ہوتا ہے، مسلمانوں کی خودی اور انا مجروح ہوتی ہے، ہم جسے اپنا پیغمبر اور رسول ﷺ مانتے ہیں تم اس کی اہانت نہیں کرسکتے۔ چوٹ درحقیقت اپنی اسی ''انانیت'' پر پڑتی ہے؛ لیکن مغالطہ ہوتا ہے کہ پیغمبر ﷺ کی محبت نے ان کو انتقام پر آمادہ کیا ہے، نفس کا یہ دھوکہ ہے، محبوب کی مرضی کی جسے پرواہ نہ ہو، اذان ہو رہی ہے اور لایعنی اور لاحاصل گپوں سے بھی جو اپنے آپ کو جدا کر کے مؤذن کی پکار پر نہیں دوڑتا، اسے انصاف سے کام لینا چاہیے کہ محبت کا دعویٰ اس کے منھ پہ کس حد تک پھبتا ہے۔'' (احاطۂ دار العلوم میں بیتے ہوئے دن، ص ۱۵۳-۱۵۴)

اَللّٰهُمَّ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ المستقيمَ صِراطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالين. اٰمين

❁ ❁ ❁